

اس نے لمبھر کو میری طرف دیکھا اور پھر کار میں بیٹھ گئی۔

مرد خ نفرت رکھی رہتی۔ فقط ذرا بے احتیاط تھی باتیں کرنے اتپ کے پتے چھوڑنے، شام گھات دکھانے اور بازی لوٹ لے جانے کا اسے چسکا تھا۔ اس کا جسم اور دل بالکل پاک تھے۔ مرد نیت نیک نہ تھی۔ عام عورتوں کی طرح جو سچے بن کر بنا رجاتی ہیں اور رچا رجاتی ہیں کہ نظروں بی خلوٰ میں سارے جہاں کے مردان کے عاشق ہو جائیں لیکن اوچا آزادہ کوئی نہ کسے۔ ان کے دل پتے کو سی کی انگلی بھینہ چھپا تھے۔ مرد خ بھی یہی چاہتی تھی کہ چاہئے والوں کے پشتارے لگے۔ جائیں جو ایکبار اس سے بات کرے۔ پہش کے لئے اس کا پیشہ نکال لے۔ وہ اپنی بحوث طبع کی خود اس قدر فاکل تھی کہ ہر مرد کو اس میدان میں ہرا کر اسے ذہنی سکون ملا تھا۔ — گو بعد میں مجھے علم بوجیا رہ یہ ذات بھی بالکل سطحی ہے۔ اس میں نہ تو اصلی ذاتت کے ابر قبیلے پرت در پرت تھے نہ گہرے پانیوں کا سکون۔ اور نہ ہی خیال کی گرفتاری۔ زیادہ سے زیادہ وہ پنڈت رتن نامہ مرتضیار کی بیٹیاں نوں کی طرح ضلع جھنٹ کی امداد تھی۔ بہت جلد مجھ پر عیاں ہو گیا۔ ام تو سارے ظفر کیلئے میں۔ میری طرف تردد کر رہا ہوا یاں چھٹکا کر کے ہے لیکن میں مرد خ کی محبت میں اس قدر محصور ہو چکا تھا کہ اس لمبھر کے مخزے سے جلتا تو در کنار اٹھا اس کی خوشبوی کا عیال ہر وقت رہتا تھا۔ مجھے یہ گھصیاں اس تدریز بیز تھیں کہ میں ان ہی کی تلاش میں مرد خ کے دفتر میں جاتا اور پریوں تکر گکار اولی طرح بیٹھا رہتا۔

جب کبھی میں تمارے گھر جاتا نہ ان اتوں کی چکے میرے ساتھ آتی۔ بھپرہ نہ تو نہیں مجھے نہ ساری روتوں جوئیں نہ آتیں نہ تمara گم سیم چھرہ دکھاتی دیتا نہ تماری آوازیں دیتی خاموشی سنائی پڑتی۔ میں تو سر روت طلاق۔ اور جلوٹ میں مرد خ سے ہی باتیں کئے جاتا۔ اسی طرح ایک روز میں تمارے ہابے دیاں بیٹھا تھا۔ اقبال نے پلی مرتبہ میری تو بھر تماری طرف نوہاںی۔

”صحیح تھے اہم اکھایا تھا بے ذار نہگ یہ اقبال نے پوچھا۔

تم نے نغمے میں سر لایا۔

”دو دھر؟“

جی پیا تھا — "تم آہست سے مننا گیں۔

"کہاں پیا تھا زری — ہار چکھا ضرور تھا اقبال۔ اللہ جانے اسے کیا ہوتا جاتا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ کسی سے بلوتی ہے۔ دو توبیں کاڑیو رسم کی پڑائیں۔ وہ مان بی اور سی کی گوریاں کھلتی ہوں۔ ذرا رنگ تو دیکھنے اس کا۔ چیلکالی نعمتی آتی ہے — بے ناکہن!"
میں نے، سپاٹی ٹیکوں، جیسی جلد پر نظر والی اور پردے دیکھنے لگا، بڑے دنونے بعد میر منیر
مجھے ملامت کرنے اور نیکی کرنے پر الگانے آبیجا تھا۔

اقبال اپنے بندوق کو گزسے صاف کر رہا تھا، اس نے متاری جی کی بات پر کام و حسرے بغیر کہا — "آؤ آصف ذرا باہر چلیں کھیتوں کی طرف۔ شاید کوئی سینڈگر واصل جائے۔"
میرے دہم دگان میں بھی نہ تھا کہ تھا انشکاری باب پ مجھے تمہارے متعلق کچھ کہنا چاہتا تھا،
جبکہ مم آبادی سے بہت دور نکل گئا اور فنسا سے شرکی آوازیں غائب ہو گئیں تو وہ اچانک کہ
گیا اور رگھاں پر سیختی ہوئے بولا: "آسف! مجھے زری کے متلق بڑا فکر رہتا ہے — میں تھے
کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

میں صدر خ کے متلق سوچ رہا تھا کیمی میرے گھنٹے کمر در پر گئے۔
"ہاں — ہاں ضرور پوچھو۔"

"نہ تو وہ کچھ کھاتی ہے نہ کسی سیستی سے ملنے جاتی ہے اور نہ بی اب کوئی
اس کی سیکھ لگھ آتی ہے۔ پہلے تو وہ کرنی افتخادر کی بیٹھیوں سے بہت فری تھی۔ اب کبھی ان کا ناہی
نہیں لیتی۔ میں بردا انکر مند ہوں۔"

میں نے شترک رنگل کر کہا۔ "کسی ڈاکٹر کو دکھان تھا اقبال — شاید مدد، — ہو
"و دکھایا تھا، کرنی دکھ سے سلاچیں اپ کردا یا ہے بلہ نہ سٹ بیا ہے۔ چیز کا ایکرے
کردا یا ہے — بغاہروہ بالکل تدرست ہے۔ اقبال نے انگریزی میں مدد
تعجب ہے —" دو توبیں چلی چلنے لگی تھی اور اس کی آواز میں مصہا ہوں کی بڑی شر۔

شکاری کے اتفاق پر پیشہ آگیا۔ میں نے ہمیشہ اقبال کو کھلنڈ رہے مودیں دیکھا تھا۔ کارتوں سے کہچیتی کی آنکھوں تک اس کی باتوں کی اٹاں تھی۔ اس کے سامنے شکار سے بہ کرا گر کئی بات کی جاتی تھوڑا نگفتہ لگتا۔ ابج وہ گھاس پر بندوق پسے رکھے گھسنوں کو بازوؤں میں لے ٹوچش سامیش تھا۔ اقبال کا یہ پلومیر سے لئے بالکل ابھنی تھا۔ بڑی دیر کے بعد اس نے انگریزی میں بڑے انکھ پن سے پوچا — ”تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا اسے کسی سے محبت ہو گئی ہے۔ اگر مجھے علم ہو جائے کہ اسے کس سے محبت ہے تو میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ میں..... میں زوری کی بڑی عزت کرتا ہوں۔ آسف۔“

میرے لئے اس سوال کا جواب دینا سہل نہ تھا۔ فرما اس اعتراف بھی مجھے اتنی دُور رے جاتا کہ پھر میں
لوٹ کر زندگی ملتا۔ میں نے ساری بات کو محظی روپ دے کر کہا: "ابھی کمال اقبال۔ ابھی تو وہ اپنی اتنا فی
کر رہی ہو گی۔" CALF. LOVE

اقبال نے مودودی کو میری جانب دیکھا۔ اس نظر میں بڑی محدود ہی چکر تھی۔ پھر اس نے بندوق اٹھانی اور گھر کی طرف لوٹنے لگا، سماں ادا تھا اس نے جنگلی مرغیاں، تیتھا، بیٹھا، پیٹھا کے گوشت کی جگہ اکا نہ خاصیتوں پر بحث کی۔ شکار کے گوشت، کوئوں کو پیٹھ کر پکانے اور سکھانے کے طریقے بتائے تھے لیکن ایکبار بھی پھر اس نے تمہارا نام نہ لیا، لیکن اتنی ساری باتوں کے باوجود آج کی تشویش بخوبی پہچپی نہ تھی۔ وہ اپنی الکلو قبیلی کی بھی بٹھے بٹھے پیدا میں تھا۔ اس کی باتوں میں ابھی انہاں تو مذکور تھا لیکن وہ اُبھری دلچسپی نہ تھی جو عموماً اس کی باتوں سے متربع ہوا کرتی تھی۔ میں اقبال کی مدد کرنا چاہتا تھا اور کسی قسم کی مشتبہ گفتگو کو ہم میں ملک نہ تھی۔ پورچھ کے پاس پہنچنے کر میں نے اس سے اجازت چاہی۔ اس نے مجھے دو کن چاہا لیکن میں دل ہی دل میں ہونے میلے کرچکا تھا مجھے اس پر عکل کرنا تھا اور وہ بھی بہت جلدی۔ میں بڑی عجلت میں رخصت بنا اور سید حامد رخ کے پاس پہنچا۔ وہ ایک فل سکیپ پر پر بال پن کے ساتھ کچھ لکھ رہی تھی۔ دفتری میز پر بہت سی تصویریں پڑتی تھیں اور ہر تصویر کے اوپر ایک چھٹ لگتی تھی۔ میں سلام کر کے اس کے پاس میٹھا گیا۔ اس نے بڑے صاحبِ طرح مرکے اثار سے

سلام کا جواب دیا اور کام میں معروف رہی۔ بھنڈنے جھنڈ کر صفحہ پر دیکھا بلکہ تھا:
”میرے میان شادی کی سالگردہ بھول گئے۔“

اس عنوان کو نیک شگون سمجھ کر میں نے کاغذ پر اتفاق رکھا اور آہستہ سے بولہ:
”امتل الحفظ۔“

اس نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا — ”امتل الحفظ بت ذاتی نام بے —
مرد رخ کئے۔“

گرم استری پر جیسے پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔
”مرد رخ!“

وہ کاپی پر کھلتے ہوئے بولی — ”اکتوبر کی نیگون ضرور، میں لیکن پھرے کا میک اپ
خواب کر دیتے ہیں۔ شادی کی پہلی رات.....“

”محجہ تم سے ایک ضروری بات کہنا ہے۔“

”وہ لپٹے بچوں کی دیکھ بھال خود کرتی ہیں۔“ بیگم دخوانی سے ایک ملاقات۔

”میری بات سنو مرد رخ۔ خدا کر لئے۔“

”میں کے دباؤ سے آراستہ کھانا۔“ وہ تعمیر دوں پر کیش کھستی گئی۔

”مرد رخ لمحہ بھر کے لئے میری طرف توجہ دو۔“

وہ قلم گھیشتے ہوئے بولی — ”فرج دیبا۔ لپٹے شوہر کی چیتی بیگم۔“

”اللہ کے لئے مرد رخ مجھے تم سے مجتبہ ہے۔“

”ملکہ از جتو دس لاکھ کی مالیت کے مبوسات لے کر سفر کرتی ہیں۔“

میں نے اپنے سارے ماقومیں میں تھام کر کما — ”محجہ تم سے مجتبہ ہے مرد رخ۔“

”مجبت کی شادی میں ہا کامی کی وجہ۔“

اب میں جنبہلا کر اٹھا اور اسی کے ہاتھوں سے کاغذ چین کر بولا — ”مرد رخ۔ ملائق کی ایک

حد ہوتی ہے:
نماق کون کر رہا ہے؟

میں نے پڑ کر کہا: "اور میرے ہر سوال کا درجی جواب ہے جو آپ نے دیا:
مر رخ فے کاغذ بڑی اڑاہٹ سے مرے اٹھوں سے چھینا اور اپر اٹھا کر بولی۔
جناب۔ میں کچھ عنوان بنارہی تھی لپنے کا ملوں کے لئے — دیکھنے پسند فرمائیے۔
اچھا، اب تم سمجھیدہ نہیں ہو۔ میں پھر آؤں گا۔"

جب میں دروازے کے پاس پہنچ گی تو مر رخ اپنی میرے سیستھے ہوئے بولی: "اور وہ
کھلیکی موصیٰ کی کھڑت پر نہیں جائیں گے۔ ابھی تک تو ٹھہر جو شناخت ہے۔
مر رخ سے نامن ہونا اور پھر اس نامانی کو مستقل کرنا میرے لباس کی بات نہ تھی۔ میری
شخصی آزادی اس کے حضور بالکل ختم ہو چکی تھی۔ میں دُم دبائے کئے کی طرح دوبارہ اسی
پر آسمیٹا۔ اس کے بعد کسی قسم کی لفتگو نہ ہوئی۔ میں اپنا جھوٹا دقار قائم رکھنا چاہتا تھا اور وہ
محبوبیوں کو دھوئیں میں اڑاٹی تھی۔ اس نے جب تک وہ شخصی رہی میں تصویریں دیکھتا رہا۔ میں نے
ان تصویروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا کہ پاکستان کی خواتین فیضی دری کی بہت پسند کرتی ہیں۔ جا بج
لکھل شوز میں سورتیں گھننے پتے سے لیں، غزارے، سندھی قیعنی، چوری دار پاچاۓ، پشوار،
سلہٹ کے اندازی سارے تھی، وہ گزے لہنگے اپٹھانی کرتے اور شیشوں کی بندی ہوئی طوبیاں پنے
ہوئے تھیں۔ پنجابی روکیوں کو سچانی بننے کا شوق تھا۔ سندھی روکیاں سارے تھیں اڑاٹی تھیں۔ مغرب
عورتیں چوری دار پاچاںوں اور عروجی مباشوں میں بلسوں تھیں۔ غرضیکہ رہے پہلے نے پر ایک بڑا سوتھو دری
گھپلا تھا۔ فیض کے ان عبوری شوز کے علاوہ ان خواتین کی تصویریں کامیابی پلندہ دھرا تھا جو اکیسریں
بنتے بنتے کی طرح پنج گھنی تھیں۔ یک سو خاپور اچھرو اور تین چوتھائی اچھرے کی ان گنت تصویریں بھی تھیں۔
سب شکھوں پر وہی ایک لینی ڈرالپ قسم کی مسکراہٹ تھی۔ کچھ تصویریں میں ان پارٹیوں کی تھیں جو شادی
سامنگہ اور نوجوان لڑکوں کے یورپ جانے کی تقدیر ہوں پروردی جاتی ہیں۔ ان تصویروں میں مہمان عوام

دو ماہ میں، اس لگوہ متنے والا یا سفر پر جانے والا نہیں ہوتا بلکہ وہ افسر بالایا مشمور اور کمی ہوتا ہے جن کے ارد گرد تھام میان گھنسے کی گوشش کریں۔ میں نے تو ایک آدھ تصوری میں یہاں تک علم دیکھا کر دیا اور دل میں کے عین درمیان ایک گنجے مر والے صاحب براہماں ہیں۔ ارد گرد گھروالوں کی دور دیہی بلیٹن کھڑی ہے۔ پچھے رقم ہے:

”دو ماہ میں کے درمیان جناب اعزاز الحنفی صاحب“

ان تصوریوں پر مستر ادا ان میر ثیہ رخنا ہور توں کی تصوریوں کا جماعت خاجہ بیروفی ٹالک کے سربراہی کا خیر مقدم کرنے ایئر پورٹ کے وی آئی پی ENCLOSURE میں پہنچی تھیں۔ جنہیں مقامی نقشہ پر پہلی قطار میں دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جوز نامہ جلسوں میں صدارت کے فرائض ادا کر کی تھیں ان خواتین کے چہرے فوٹو گرافیوں کی چاہکتی کے باوجود دو سیلی چھلی کی طرح تعلق تھل اور بے جان نظر اکھے تھے۔ میں یہ تصوریں دیکھنے میں معروف تھاںہ مر رخ انتہے ہوئے ہوئی:

”کیوں چلئے گا کہ ناراضی رہئے گا؟“

”ابھی ہم ماں تک پہنچتے کہ مجھ پر پھر دوڑہ پڑا۔“

”مر رخ! یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟“

”کون سلسلہ؟ دیکھنے دیکھنے آہستہ چلائیے رکشا آہا ہے اور ہے۔“

”میری گردیدگی اور تماری بے روختی۔“

”جب تک آپ چلنا چاہیں۔ ساری کاروائی یہی ہلفہ ہے۔“

”میں نے مستر کی رفتار پر موڑ کا نہ۔“

”اللہ۔ آج آپ صحیح سالم لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔“

”مر رخ! میں ان مددوں میں سے نہیں ہوں جو شادی کے بعد ہو توں کی آزادی سلب کریں کرتے ہیں۔ تم چاہے ساری مددوں کا کام لکھنا خدا قسم مجھے اندازی نہ ہو گا۔“

”یہ تو میری مرضی پر مخفی ہے شاید میں جنمدم فوراً چھڑ دوں۔“

ایک تانگے سے مکر ہوتے ہوتے پکی۔

ہم دونوں کی مرضی ہمیشہ ایک ہو گی مردخ — ہمیشہ ۹

وہ حکلہ ٹھاکر ہنس دی — "یعنی بالا ہی بالا میرے حقوق آپ کے نام محفوظ بھی ہو گئے"

"تمنا تو میری بیکی ہے"

"خوب — اللہ کے نے اتنی تیز زندگی چلا بیٹے گازی" ۱۰

مجھ پر اپنی محبت کا بوجہ بڑا شیدہ ہو چلے تھا اور گاڑی بے قابو بھر کبھی دامن کبھی بالیں مرد
اور بھولنے لگی تھی۔

اکھف صاحب۔ کیوں مفت میں بدنام کرنے لگے ہیں مجھے۔ صحیح اخبار میں چھپے گا ۱۱
مردخ، دخواتین کی کالم نگار — سیتلاندر کے پاس حادثے کا شکار ہو گئیں — انے ساتھ
کار میں جو شخص تھا اس کی شاختہت جاری ہے۔

میں نے گڑ گذا کر کہا: "تم دن بھر میں کسی وقت سنبھال بھی ہوتی ہوئی نہیں ۱۲

اس نے پھلا سمنہ بن کر جواب دیا: "میرا خیال ہے سارے دن میں مجھے غیر سنبھال ہونے کا
ایک لمبجھی میر نہیں آتا"

"خدا کے نے مردخ، مجھ سے شادی کرو پیز"

اب اگر آپ نے مجھ سے ایسا مذاق کیا تو میں ہمیں اتر جاؤں گی۔ اسی لڑ:

میں خاموش ہو گیا اور کنفرٹ کے اختتام تک خاموش رہا۔

لان پر نگہار نوازدی کر سیاں پڑی تھیں اور کنفرٹ شروع ہونے میں ابھی تھوڑی دریتی۔ ہمیں ایسی
چھٹی جہاں سے ہر کنے جانے والا آدم فٹ کے فاصلے سے گزرتا تھا۔ شامیں نے تک الکارین پر
کاسیلا ب آئی ہوا تھا۔ قمیع میں عورتوں کی اکثریت تھی اور ان میں دخواتین زیادہ تھیں جو شوہروں کے
خانہ بثانہ بڑے ٹھستے سے آئی تھیں۔ عورتوں کی تعداد کچھ اس لئے زیادہ نہ تھی کہ کیداں لاہور کی مستدوں
کوں میں بوجھی تھیں اور انہیں مویتی سے مشت ہو گیا تھا بلکہ اکثر اس لئے تھی تھیں کہ ان کے پاس کچھ اے

بلاس تھے جو لوگوں کو دکھانا بہت ضروری تھا۔ کچھ اس لئے تشریف لائی تھیں کہ صحیح ہی انہیں اپنی
ہمسانی اور دستوں کو بتانا تھا کہ نات و دھجی کنٹرٹ پر موجود تھیں۔ کچھ محض اسی شےٰ چلی آئی تھیں کہ اب تھے
شما کنٹرٹ سے بتر شر میں کوئی اور پر ڈگرام نہ تھا... بیگناٹ کی خروکن زیبارش ایسی تھی کہ
بڑی بڑی رسمگیر طور پر انہیں کان پکڑتے تھے اور ان سے بلاس پہنچنے کا سب سی حاصل کر لیتھیں۔ مجھ سے ایک تھے
ایک شکی گرل نے شکایتا کیا تھا:

”جناب جب سے بیگناٹ طرافت گیری کرنے لگی ہیں انہوں نے ہمارے رہنگ پر لات مار دی۔“

”وہ کیسے؟“ میں نے سوال کیا

”پہلے مردوں اگوں کے پاس اس لئے زیادہ آکتے تھے کہ گھر میں بیساں سادہ بلاس پہنچتی تھیں۔
اور اپنے آپ کو ڈھاپنے دہتی تھیں۔ اب تو بیگناٹ ہر پتو سے لپٹنے آپ کو یوں پیش کرتی ہیں کہ طرافت
ونگ رہ جاتی ہے۔ اب ہم لوگوں کو کون پوچھے جھلا؟“

اچھے چونکہ میں بظاہر مرد رخ سے ناخوش بیٹھا تھا اس لئے میری نظرؤں میں تنید زیادہ تھی اور جسیں
کہ۔ سمجھائی ہو توں کو دیکھ کر مجھے سالم خرگوش کا روست یاد آنے لگا۔ ایسا روست جو بڑے علیقے
سے شین لیں رہے میں پیش کیا گیا ہے۔ ان ہو توں کا ہر رنگ آپ کے رامنے تھا۔ آپ کے قلیل کیڈے
کچھ باقی رہ تھا۔ یہ مرد کی تو واضح تھی۔ سو ہم پیدا کرنے کی حد تک تو واضح۔

کنٹرٹ ختم ہونے کے بعد ہم دونوں مرد رخ کے گھر چل دیئے۔ ساری راہ نہیں نے لے دیا
اور نہ ہی اس نے مجھ سے کوئی بات کی تھیں بلکہ جو نہیں وہ میکلوڈ روڈ کے پتوں میں ایک بنگلی کے پاس
اتری میں نے اس کا باختہ پکڑ لیا:

”مرد رخ!“

مرد رخ نے ایک جھٹکے سے ماتھ چھڑایا اور تک کر لیویں: ”مرٹ آئفت!“ میرا خیل تھا کہ مرد رخ
ہو رہت میں افلامیونی خوبست ملکن بے تھیں یہ تجوہ غلط تھکا۔ مرد اور سو رہت میں کیسا ہی لائق رشتہ ہوں گے
ہو۔ دونوں میں سے ایک کو فرور موقع پیدا ہوئے تھے مجبت کی۔ خدا ہائی۔“

تم رخ۔ سن تو!

کیا سنوں رخدا جانتے ہے کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس نے آپکو غلط امید دلائی ہو۔

پھر بھی غلط فرمی پیدا ہو گئی۔ ہو گئی۔ ہو گئی نا!

تم رخ۔ تم روٹ کر مجھ تک فروٹا دیتے۔

”فی الحال تو میر ظفر کی طرف مراجعت کر رہی ہوں۔ خدا حافظ۔ مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کیجئے مگر۔

یہ بات ٹھہرے:

مرد رخ جلدی سے روانہ ہو گئی اور میں لکھنی ہی دیر وہاں کھڑا رہا۔ ظفر، مرد رخ۔ چپ سندھی نالگیں چلانے والا فلم سخنہ نیم فلم سفر۔ اس آتش بازی کا منظور نظر ہے۔ یہ حقیقت مجھے تجھنہ اتنی تھی۔ بڑی دیر بعد جب میں کار میں بیٹھا تو دندن شکریں پر مجھے تماری صورت نظر آئی۔

ہساپنی لیوں بھی جلد، گم گم آنکھیں، سینے پر رکھتے دو بلے پھیلے سانپ اور سانپوں کے منہ میں گردھل کے آتشیں پھول۔ میں نے تم سے ایسی کوئی بات نہ کی تھی جس سے محبت کی گوآتھی ہو۔ پھر تم

نے آپی آپ یہ فصلہ کیوں کر دیا۔ یہ ری محبت کے بغیر تمہارا وجود ناگلکرے۔ شاید مرد رخ ٹھیک ہی کھتی تھی۔ مرد اور عورت کا ارشتہ کبھی لا تعلق نہیں ہوا۔ سنا بیان ہمیشہ ایک واڑسی موجود رہتا ہے جو

مکل بھولپن اور سادگی کو مخطوط کر دیتا ہے۔ یہ وہ بیان ہیں جو آپی آپ، نیکے پانوں میں منعکس ہو جاتی ہی۔

دوسرے دن سہر کے وقت میں تمارے ہاں پہنچا۔ یہ میری خود غرضی تھی کہ میں تماری عقیدت

کے پھر سے اپنی زخمی اناکو سینک دینا پاہتا تھا۔ میں ہمدردی وصول کرنے اسی جگہ پہنچا جہاں کاہر

ذرہ محبت کے واڑس میں ڈوبا ہوا تھا۔ جب میں نے کار کو پورپچ میں روکا تو پہلی بار مجھے اس اس برا

کر شاید تمارے محی ڈیڈی گھر پڑنے ہوں لیکن بھاگ جلنے کی راہ مسدود ہو چکی تھی کار کا شور سننے ہی

تم براہم سے میں آپنی تھیں۔ تمارا چھوڑ دھا۔ سمجھی یہ آئڑن مانک اور غاز سے کی مردی سے بے نیاز

شکری نہ لڑا۔ یا کرتا تھا مجھے دیکھ کر تمارے کان کی لوئیں مرد ہو گئیں۔ تم بھاگ کر ڈالیوں والی سیٹ کی بات

آگئیں اور ہینڈل گھلتے ہوئے بولیں: ”آئیے!

"ڈیڈی کہاں میں تمارے۔"

"وہ بھی ہر منارے گئے میں میں"

"اور میں جان " "

"وہ بھی ساقطہ گئی میں جی و"

"تم نہیں گئیں ان کے ساقطہ میں نے سوال کیا۔"

"میرے سینے پر کھڑک کے امتحان ہی جی — پرسوں سے۔"

میں نے بالکل اٹکوں جسی اواز میں کہا: "ٹھیک ٹھیک پھر تم تو پڑھو بے بنی میں تو چلتا ہوں

اقبال کو بتا دینا میں آیا تھا۔"

تم نے پہلی بار جھات سے دروازہ کھول کر بات کی: "جی ممی ڈیڈی آنے والے ہیں لب

آپ فرما تو اتر آئیے۔"

تماری اواز میں جو التباہی میں نے اس کے سامنے اپنے آپ کو نہتا محسوس کیا۔

منہیں بیخی۔ تماری پڑھائی میں جرب جو گناہ۔

"پانچ منٹ رک جائیئے پچھے ڈیڈی آنے والے میں الجھی۔"

تماری آنکھوں میں آنسو سہ گئے۔

ان آنسوؤں کا دکھ میں نے پلی بارہ مسیں کیا۔ اپنی غروری کے احساس سے میرا اپنا حق تملکن بوجگدا۔

تم مجھے ڈالا ہیں رومیں لے گئیں۔ میں اسی مفسوس سو نے میں پیچھے لیا جاؤ شداناں کے قریب تھا

سارے کرے میں لکھتے ہوئے چھڑتے کی فکر تھی۔ چھیتے کے مرا باہم آنکھوں کی آنکھیں اور شیر، بر کی کھل

یکدم بست جاندار ہو گئی تھی۔ مجھے جنگل کا سانا مکر میں مقید محسوس ہو رہا تھا۔

"پہلا پرچھ کس کا ہے۔"

"آنکھ کا؟"

"پھر وہ"

ذو مرے دن منڈے ہے جی۔"

"اچھا بھئی میں توجہتا ہوں ہمارے ذیہی تو بھلی کاشکار کھلئے گئے ہوں گے۔"
کیدم میں اٹھ کر رہا اور چلنے کی نیت سے دوہی قدم اٹھا ٹھے ہوں گے کہ ہماری آواز آئی
یہ آواز ایک بچے کی تھی لیکن اس میں میرا بانی کا سالانہ تھا۔ اس پر آنسو ان کا اور تعادن بھی
کر رہے تھے۔

"مجھ سے شلوار کر لیجئے۔ دو دن کیلئے۔ ایک دن کیلئے۔ ساری روز کیاں مجھے چھڑیتی ہیں آہن
صاحب۔ خدا کیلئے مجھ سے نکاح کر لیجئے۔ ایک گھنٹہ بھر کے لئے چھپے پھر آپ مجھے طلاق دے دیجئے
گا۔ میں بھیشہ آپکی احتمالہ رہوں گی۔"

میرے سر کے میں اور پر پر بکا گولہ پھٹا۔

"روکیوں کو اس بات کا علم کیسے ہوا زری؟"

"ہو گیا ہے جی۔ ہونا ہی تھا۔ میں آپکی قصریہ جو ساتھے جاتی تھی بتتے میں۔"
میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ میری قصیریہ کے پاس کہاں سے آئی لیکن جب میں نے وہ
کرام کی طرف دیکھا تو وہ مجھ سے حد چھوٹی، ول برداشتہ نظر آئی۔ بالکل جھگی تیندی کی طرح مجبوراً در
بیحال میں نے اپنے دونوں ہاتھا اس کے کندھوں پر رکھے اور آہستہ آہستہ بولا:

"سزو زری! میں ہماری بنت کی عزت کرتا ہوں لیکن الجی تم پچھے ہو۔ یہ دو درگرد جائے گا۔ تم خود
اس چند بے پرہنگوں بچپن میں سمجھی اس طرح محبت کرتے ہیں لیکن اقبال میرا گھری دوست ہے۔ ہم
دوں چھپے رہوں نہ ملیں ہماری دوستی بہت گمراہی ہے۔ میں ایک خاہی اعتماد پر یہاں آتا ہوں:
ہماری آنکھیں بند تھیں اور پھوپھو سے بھری برسات ٹوٹ رہی تھی۔

"اوایک اور بات بھی ہے ذری؟"

تم نے آنکھیں کھول دیں۔ آنسوؤں سے باب بھری آنکھیں۔

"مجھ کی اور سے محبت ہے۔ بالکل ایک ہی محبت جیسی تھیں غبے ہے۔ میں اس کے بغیر نہ

نہیں رہ سکتا۔ مجھمیں زری!“

”مجی!“

ز جانے وہ سارے آنسو کیسے کیدم خشک ہو گئے۔

میں بھاری تدم اٹھا تباہ کرایا اور کار میں بیٹھا اور پورچ سے رخصت بو گیا۔ کاش! امیں پڑ کر ایک بار تمیں دیکھ ہی لیتا۔

رات کو پونے دونبجے مجھے اقبال کا فون ملا۔ جب میں ہسپتال پہنچا تو اقبال باہر نہ رہا، رات تا ”بڑی دیر رگادی تم نے آصن۔“

مجھے صدعاں تھا کہ اقبال میر سے متفق کس قدر جانتا ہے۔ میں خاموش رہا۔

”اگر مجھے صدعاں ہوتا کہ وہ اس قدر جلد مرا ناجاہتی ہے تو میں اسے خود شوٹ کرتا۔ اسے دو گئے مرنے میں نہ لگتے تھے۔

”آئی ایم سو ری اقبال۔“

”ابھی تک میرا خیال تھا کہ زری اتنی سخت دل نہیں ہو سکتی۔ اس کے دل میں میری محبت فرو رہ گئی۔ لیکن —“ میں بلامہ صدعاں کا کندھا تھپ تھپ لے لگا۔

”ایک شکاری کی بیٹی کا نشاذ اتنا خراب۔ پورے دو گئے سکتی رہی۔ بہت دیر کر دی تم نے آصن۔“

”کاش! میں اسے ہسپتال نہ لایا ہوتا۔ آصن! بھر اور ہسپتال میں خدا تو وہی رہتا ہے ہا!“ میں خاموشی کے ساتھ اس کے برابر ٹھنڈنے لگا۔

”وین ان بھی تک نہیں آتی؟“

”وین؟“ میں نے بے دھیانی سے سوال کیا۔

”زری کو گھر لے جائیں گے۔ اے نہایتیں گے۔ دھنایتیں گے۔ میں اس کے لائقے کا زخم خود مٹ کروں گا۔ بڑی DARLING را کی تھی۔ تھی نا آصن!“

میرے پاس اسی کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

”میں اصل وجہ سمجھنے سکتا۔ میں ہر منارے سے لٹا تو وہ بے ہوش پڑتی تھی۔ خافنا ان بنت

گھر پر نہیں تھا۔ دی ایڈیٹ：“

سچلوڑ رانچ پر بیٹھ جائیں:

اس نے میری نصیحت پر عمل نہ کیا: ”زری مجھے ہمیشہ شکار سے منع کیا رکھتی تھی۔ کمار قی متحی دیڑی اُندھیاں بڑا دیتے ہے۔ یہ گناہ ہے۔“

اس کی آنکھوں میں تھوڑا تھوڑا پاگل پن اتر آیا تھا۔

اسف! کیا اس کسی سے محبت تھی۔ تم ہمارے گھر آتے تھے تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا کوئی ایسا بھی اسی صفوٰت سے پر تھا جو زری کو نہ چاہ سکتا۔ تم کبھی اسی کے خلاف نہ ہوتے۔ زری نے یہ کیوں سمجھا کہ میں اس کی محبت پر معترض ہوں گا۔ کیوں؟ کیوں؟ کیوں؟“

میں تمہارے ڈیڈی کو کیا سمجھاتا کہ نیل کے پانیوں میں منٹکس ہونے والی بیویوں کا کوئی تصور نہیں۔ میں تمہارے ڈیڈی کو کیا بتاتا۔ محبت نواز مریل کی مانند ہے جسی درخت پر اس کی زرد رو ڈالیاں چڑھ جاتی ہیں وہ درخت آپ کی اپ مرجاتا ہے۔ میں تمہارے اپ کو کیا سمجھاتا اور وہ کیوں سمجھتا۔ میں تو تمہیں بھی نہ بتا سکا زری کہ تمہارے جانے کے بعد مرح کی محبت حصہ جانے کے بعد مجھ پر کیا گز ری۔ تمہاری محبت مجھ تک مددخ کے قسط سے بہنچی ہے زری۔ اس محبت کا تمہیں کچھ نامہ نہیں پہنچ سکا میکن میں نے تمہارا قرض لوٹا دیا ہے۔ میرے ارد گرا دامزیل چڑھ چکی ہے۔ اس میں ہائی سمندر کے چھوٹ کھلے ہیں۔ پیشگانی کے ارعافی چھوٹ۔ تماست کے آسمانی چھوٹ۔ میں تمہارا قرض لوٹا رہا ہوں۔ ہر لے ہوئے۔ آنسو بہ آنسو۔ آہ در آہ!

تمہاری محبت کی بتیاں میرے دل کے ناسپاں پانیوں میں منٹکس ہو چکی ہیں زری۔ میکن میں بتیاں تمہیں نہیں دو کھا سکتا۔ میرا کوئی مستقبل نہیں۔ میرا کوئی ہماں نہیں۔ میں وہ میغز ہوں جس کی شرپاؤں میں کلور و فائم کا نشہ شان شان کر رہا ہے اور وہ آپ ریش تھیر سے بھاگ کا یا یا۔

پارش بہت زور سے آئی ہے۔ باو لوں کے غاف پرے میں شگاف آگئے ہیں۔ مٹی کے گرم
وجوں سے خندک اوندوں نے لپٹ کر سوندھی خوشبو اٹھائی ہے۔ تمہاری یاد کا گھناؤپ انھری مرے
چاروں ہاتھ چلانے رکا ہے۔ میں اس طغیزادے کی طرح تھا جو محبت کے نذرانے کو خود کریں مارہار
کر بے وقحت کر دیتے ہیں۔ لیکن اب نہیں۔ اب نہیں زری!

لیکن اب کیا فائدہ؟

اب کیا فائدہ زری؟؟

